ڈاکٹر فضل محمود
ترجمہ: ثناء اللہ مجاہد

# سوانح و افکار شاہ ولی اللہ

علمی حلقوں میں بالخصوص "الولی" کے قارئین کے لئے یہ خبر باعث رنج و غم ہوگی کہ شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کے شارح ڈاکٹر فضل محمود (ریٹائرڈ) پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج بورے والہ ضلع وہاڑی گذشتہ دنوں انتقال فرما گئے۔ مرحوم ساری زندگی درس و تدریس کے پیشے سے وابستہ رہے انہوں نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری "شاہ ولی اللہ کے سوانح و افکار" پر مقالہ لکھ کر حاصل کی۔ ادارہ "الولی" ان کے پس ماندگان کے غم میں پوری طرح شامل ہے اور دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

مرحوم کے مقالے کے چند صفحات کا ترجمہ قارئین "الولی" کی نذر ہے۔

## تعارف

مسلسل مزاج اور رنگا رنگ فطرت کے حالات غیر متغیر طور پر ان لوگوں کی ذہنیت میں تبدیلی لاتے ہیں جو ان سے براہ راست منسلک ہوتے ہیں۔ اس بیان کی تائید میں برصغیر ہندوپاک کی ابتدائی اسلامی حکومت اور اٹھارویں صدی کے ابتداء کی۔ اسلامی حکومت کے تقابلی مطالعے کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ مقاصد میں ہم آہنگی اور عمل میں شدت جو قدیم مسلمانوں کا طرہ امتیاز تھا۔ بعد

کے مسلمانوں میں موجود نہ تھا۔

وجوہات کی تلاش کوئی مشکل نہیں ہے جب اس سرزمین میں مسلمانوں کو حکومت کرتے صدیاں گزریں اور ایک کے بعد دوسرا خاندان برسرِ اقتدار آیا تو عوام میں عام طور پر یہ عقیدہ راسخ ہوگیا کہ کسی میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ ان سے اقتدار چھین سکے۔ یہ خود فریبی اس حد تک پہنچ گئی کہ حکمرانی کی بنیادی عوامل مفقود ہوکر رہ گئے۔ سونے پہ سہاگہ یہ کہ فاش سیاسی اور حربی غلطیوں نے جو بعض یا اتفاقیہ لوگوں سے سرزد ہوئیں، معاملے کو اور بگاڑ دیا اور نگزیب متوفی ۱۷۰۷ء کے بعد اس کے جانشینوں نے غیر مسلم رعایا سے نرم پالیسی نے موخر الذکر کو اپنے ذاتی مفاد کے حصول میں دلیر اور ہوشمند بنا دیا اور ان کو سرگرم عمل ہونے کی ترغیب پیدا ہوئی۔ اورنگ زیب کے بیٹوں کی جانشینی کے نزاع کے عروج پر پہنچنے سے حکمران طبقے کا جانی نقصان تو ہوا ہی۔ ان کی اخلاقی حالت بھی تباہ ہوکر رہ گئی۔ ان حالات میں بے شمار غیر مسلم گروہوں نے مغلوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں اور ملک کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک تاراج کرنے لگے۔

بہادر شاہ (۱۷۱۲ء تا ۱۷۰۷ء) اور اس کے جانشینوں کی فتح سے خوف و دہشت کا دور ختم نہ ہوا۔ نیا حکمران اس قدر ضعیف تھا کہ وہ دسیع مملکت کے نظم و نسق اور افواج کی تنظیم نو کے بارگراں کا متحمل نہ ہوسکا اور اس نے اپنی زندگی کو آسائش و تعیشات کے سانچے میں ڈھال لیا۔

بہادر شاہ، جو اپنے باپ کے مانند تھا لیکن اتنا مضبوط و مستعد نہ تھا، ایسے مزاج کا حامل تھا جو بابر کے اخلاف اور اتنے وسیع سلطنت کے حکمران کے شایان شان نہ تھا۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ جب کہ بدامنی روزمرہ کا معمول تھی اس نے ایک دشمن کے خلاف اس طرح لشکرکشی کی گویا کسی شکار کی مہم پر جا رہا ہے۔ کسی مہم سے ناکامی یا شکست خوردہ لوٹنے پر اسے کبھی خجالت محسوس نہیں ہوئی لطف کی بات تو یہ ہے کہ وہ اکثر کسی ایسے باغی کے خلاف لشکرکشی سے انکار کر دیتا جس کو وہ اپنے مرتبے سے کم تر سمجھتا۔ جب وہ لاہور میں تھا تو اس نے شیعوں اور سنیوں میں مناظرے کا اہتمام کیا، اور ان ابحاث سے لطف اندوز ہوتا رہا اور عین اس کی موجودگی میں قزاق صوبائی دارالحکومت لاہور کا خزانہ لوٹ کرلے گئے۔ ایک دفعہ اس نے لاہور کے تمام کتوں کو ہلاک کرنے کا حکم دیا کیونکہ وہ شہر پہ فرشتوں کے نزول میں مانع تھے۔ تو یہ تھا محافظ دین اور شہنشاہ ہند!

بہادر شاہ کے جانشین اس سے بہتر نہ تھے یا یوں کہئے کہ وہ اس سے بھی روبہ تنزل تھے۔ ہر ایک نے امور مملکت امراء کو سونپ کر عیش وآرام کی زندگی بسر کی۔ امراء بھی ان کے مانند عیش وآرام کے کچھ کم دلدادہ نہ تھے۔ وہ بدمستیوں اور نام ونمود میں چھٹی صدی عیسوی کے روم وایران کے جاگیرداروں سے بھی سبقت لے گئے۔(ا) وہ مختلف گروہوں میں بٹ گئے جن میں تین اہم ہندوستانی، ترکستانی اور ایرانی ہیں۔ ہر گروہ دوسرے کو نیچا دکھانا چاہتا تھا۔ دربار باہمی بداعتمادی اور سازشوں سے بھر پور تھا اور انہیں وجوہات کی بنا پر عظیم مغل شہنشاہ تخت شاہی فی الواقع ان امراء کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گیا[۲] خزانے کے خالی ہونے کی وجہ سے افواج شاہی نافرمان ہوگئے۔ فی الحقیقت ان خود غرض حکمرانوں کے ہاتھ عنان حکومت آجانے سے دین کا دفاع اور دینداروں کی حفاظت ناممکن ہوگئی۔

صرف سیاسی میدان میں ہی یہ خرابی نہ تھی بلکہ مذہبی میدان میں بھی سلطنت کے نام نہاد صوفی فقیہہ گمراہی پھیلا رہے تھے قوم اختلافات کا شکار ہوکر مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ چکی تھی۔ ہر فرقے کے اراکین کا اہم مشغلہ مخصوص دلائل بازی کے ساتھ، دوسروں کی ٹانگ گھسیٹنے کے علاوہ کچھ نہ تھا انہوں نے علم الکلام، تصوف اور شریعت کے احکام کو ایک دوسرے میں غلط ملط کردیا اور وہ عام مسائل کی تعبیر میں اپنی من مانی چلاتے تھے تصوف اور صوفیاء کبار کے اقوال کو قرآن وحدیث پر ترجیح دی جاتی تھی[۳] حقیقتاً مذہب چند فرسودہ روایات اور توہمات کا مجموعہ بن کر رہ گیا۔

امراء کی بدمستیوں اور علماء اور صوفیوں کے باہمی جھگڑوں نے عوام کو بری طرح متاثر کیا، بھاری ٹیکسوں کے نفاذ سے دستکار طبقہ غربت اور بداخلاقی کا شکار ہوگیا ـــــ ملاحظہ کیجئے التفہیمات ـــــ لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد بیکار ہوکر ملکی خزانے پر بوجھ بن گئی۔ انہوں نے کچھ مذہبی رہنماؤں کے وارث ہونے کا دعویٰ کیا مختصراً ایک قوم ہونے کی حیثیت سے مسلمان تباہی کے

---

۱ ملاحظہ کیجئے حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۱۹۹

۲ " " شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ص ۵۲

۳ " " الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۹۷ التفہیمات سے اقتباس۔

کنارے تک پہنچ چکے تھے!

لیکن افسوس! سر پر منڈلانے والے خطرے سے کوئی بھی آگاہ نہ تھا۔ اور یہ وہ وقت تھا جب حضرت شاہ ولی اللہ پردہ عالم پر نمودار ہوئے۔

فی الحقیقت خداوند عالم کی مرضی یہ ہے کہ کائنات کے نظام پرسکون ہو اور یہاں پر نہ کوئی جارحیت ہو اور نہ کوئی جارح، اللہ تعالیٰ یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگ باہم رحم دلی اور تعاون سے زندگی بسر کریں اگر کہیں حالات بگڑ جائیں تو وہ ـــ خدا ـــ نظام کائنات کو اعتدال پر واپس لانے کے لئے کسی کو مامور کر دیتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ عموماً ہر صدی کے آغاز پر ایک مجدد پیدا ہوتا ہے[1]

شاہ ولی اللہ اعلیٰ درجے کی ذہنی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ اور قدرت نے انہیں وہ مواقع فراہم کئے جن کی مدد سے انہوں نے ان صلاحیتوں کو صحیح خطوط پر آگے بڑھایا وہ خطوط جو تجدید دین کی منزل تک پہنچاتے ہیں ـــ مجدد اس دنیا میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نمائندہ ہوتا ہے ـــ شاہ صاحب نے حالات کا مختلف زاویوں سے مطالعہ کیا اور ان اسباب کو معلوم کیا جو خرابی کا باعث تھے۔ انھوں نے اصلاح امت کے کام کا بیڑا اٹھایا اور اسباب حقیقی کے استیصال سے کام شروع کرنے کا منصوبہ بنایا۔ انہوں نے حکمرانوں اور رعایا کے عمومی رویے کی خرابیوں کو واضح کیا اور ان کا تدارک تجویز کیا ـــ ملاحظہ کیجئے سیاسی مکتوبات صفحات ۴۱ تا ۴۴ ـــ انہوں نے کئی مواقع پر صاحب اقتدار لوگوں کو لکھا کہ وہ بغاوتوں کو کچلیں اور عامۃ الناس کی تکالیف کو کم کریں۔ انہوں نے اس حقیقت پر بھی زور دیا کہ مسلمان زندگی کے بارے میں اپنے نقطۂ نظر میں لازماً تبدیلی پیدا کریں اور تمام حالات میں زمانہ آغاز اسلام کی سادگیوں کو اپنائیں۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ قرآن اور حدیث کے بے تعصب مطالعے سے ملت کے مختلف فرقوں کے باہمی اختلافات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

## شاہ ولی اللہ کی پیدائش

شاہ ولی اللہ ـــ ایک عظیم عالم دین، فلاسفر اور مسلم مصلح ـــ دہلی یا پھلت ضلع مظفر نگر میں

---

[1] ملاحظہ کیجئے حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم ص ۱۶۸ ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مجموعہ احادیث میں ذکر کی گئی ہے۔

۴ شوال ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۷۰۳ء کو ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جو اپنے علم و فضل اور سپاہ گری میں پہلے ہی ممتاز تھا۔ ان کی پیدائش کے موقع پر ستاروں کی چال کو انتہائی سعید قرار دیا گیا اور جیسا کہ پیش گوئی کی گئی تھی کہ بچہ زندگی کی انتہائی بلند منازل پر ہوگا اور فضیلت اور تبحر علمی میں علماء کی کہکشاں کا درخشاں ستارہ ہوگا۔[۵]

شاہ ولی اللہ کی پیدائش کی اطلاع ــــ ماضی کے تمام اشخاص خصوص مذہبی مصلحین کے مانند ــــ کشف رویا میں آپ کے والدین اور دوسروں کو بتائی گئی۔ آپ کے والد ــــ شاہ عبدالرحیم ــــ کو ایک دفعہ خواجہ قطب الدین چشتی ــــــــ کے مزار پر بحالت کشف یہ خوشخبری دی گئی کہ اللہ تمھیں ایک فرزند سے نوازے گا جو تمھارا صحیح جانشین ہوگا۔ اپنی زوجہ کے بانجھ پن کی عمر کو پہنچ جانے کی وجہ سے شاہ عبدالرحیم نے اس کشف کی تعبیر ایک ذہین خلیفہ یا جانشین لی۔ لیکن خواجہ صاحب نے تمام شکوک و شبہات کا یہ کہہ کر ازالہ کر دیا کہ اس کا بیٹا خود اسی کے گوشت پوست سے ہوگا اور یہ کہ شاہ عبدالرحیم کو بچے کا نام خواجہ صاحب کے نام پر یعنی قطب الدین رکھنا ہوگا۔[۶]

شاہ عبدالرحیم تقریباً اس وقت ساٹھ برس کے تھے۔ عزیزوں کی طعن و تشنیع کے باوجود آپ نے خواجہ صاحب کی ہدایات کے مطابق دوسری شادی کر لی۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے شاہ عبدالرحیم اور ان کی زوجہ نے جب وہ صبح کی نماز میں مصروف تھے دو ننھے ہاتھ اللہ کے حضور دعا مانگتے وقت اٹھے ہوئے دیکھے۔ شاہ عبدالرحیم نے یہ اپنے بیٹے کے ہاتھ خیال کیے جو ہنوز پیدا ہونے والے تھے۔[۵]

---

[۵] انفاس العارفین ص ۲۰۲ بعض ستارہ شناسوں نے علم و نجوم کے مطابق یہ کہا کہ پیدائش کے وقت حوت کا درجہ دوم طالع میں تھا اور شمس بھی اسی درجے میں تھا۔ زہرہ آٹھویں، عطارد اکیسویں، زحل دسویں اور حمل و مشتری پندرہویں درجے میں تھے اور وہ سال ۲۰ ویں کے قرآن کا سال تھا۔ یہ قرآن درجہ اول میں تھا اور مریخ اس سے دوسرے درجے میں تھا اور راس سرطان تھا۔

[۶] انفاس العارفین ص ۴۴۔

# شاہ ولی اللہ کے آباؤ اجداد

شاہ صاحب کا سلسلہ نسب باپ کی جانب سے خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ماں کی جانب سے خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عظیم پوتے امام موسیٰ کاظم ـــــ متوفی ۱۳۶ھ ۷۵۵ء ـــــ سے ملتا ہے [8]۔ اسلام کے ان دونوں عظیم فرزندوں سے ـــــ جو سیاسی تدبر اور علم میں ممتاز تھے ـــــ خاندان کا تعلق ہمارے اس مفروضے کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ شائد آپ کو اپنے پیش رووں کی عظیم صفات ورثے میں ملیں [9]۔

شاہ ولی اللہ کے بیان کے مطابق ان کے آباؤ اجداد میں سے پہلے جنھوں نے مشرق وسطیٰ یا ترکستان سے سرزمین ہند میں ہجرت کی وہ شیخ شمس الدین مفتی تھے [10]۔ ہمارے لئے ان کی ہند میں آمد کی تاریخ کا تعین کرنا مشکل ہے لیکن ایک سرسری تخمینے کے مطابق ـــــ ایک صدی میں تین پشتوں کو تصور کرتے ہوئے ـــــ شمس الدین مفتی کی آمد غیاث الدین بلبن ـــــ ۶۶۷ھ تا ۶۸۵ھ / ۱۲۶۵ء تا ۱۲۸۶ء ـــــ کے عہد میں فرض کی جا سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے منگولوں کے ناشائستہ رویے سے ـــــ جنھوں نے ہر جگہ آگ و خون کا بازار گرم کر رکھا تھا ـــــ تنگ آکر ہندوستان ہجرت کی ہو

---

۷ انفاس العارفین ص ۴۴ پیدائش پر بچے کا نام ولی اللہ رکھا گیا لیکن جب شاہ عبدالرحیم کو خواجہ صاحب کے الفاظ یاد آئے تو انہوں نے ان کا نام قطب الدین رکھا۔ شاہ ولی اللہ کا پورا نام ان کی تصنیفات میں "ابو الفیض قطب الدین احمد عرف ولی اللہ" ذکر کیا گیا ہے۔

۸ انفاس العارفین ص ۱۵۸ شاہ صاحب کے آباؤ اجداد یمن میں رہتے تھے۔

۹ حضرت عمر فاروق رضؓ اپنے عزم و تدبر اور حضرت علی رضؓ اپنے جرأت اور علم کی بناء پر ممتاز تھے۔

۱۰ حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا ہے، ولی اللہ بن عبدالرحیم بن وجیہہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قادن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابو الفتح ملک بن عمر حاکم ملک بن عادل بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہر یار

ہندوستان میں آنے کے بعد شمس الدین ـــــ دہلی سے تیس میل دور شمال مغرب میں واقع ایک قصبے ـــــ رو ہتک میں آباد ہو گئے ۔ اس زمانے میں رو ہتک تجارت اور ثقافت کا ترقی یافتہ مرکز تھا۔ مفتی شمس الدین پہلے قریشی تھے جو یہاں آباد ہوئے وہ تصوف اور مذہب کے مشہور عالم تھے اسی لئے قصبے کے لوگوں نے ان کی بہت تعظیم کی ۔

شمس الدین نے رو ہتک میں ایک مدرسہ کھولا اور ان طلباء کو قرآن و حدیث کی تعلیم دی جن کو آپ کے نام کی کشش ملک کے مختلف حصوں سے کھینچ لائی ۔

مذہب کے گہرے مطالعے اور مذہبی خدمات کے اعتراف کے طور پر ان کو روہتک کا مفتی بنا دیا گیا ۔ ساری عمر آپ اس اعزازی عہدے پر فائز رہے ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد میں نسلوں تک یہ عہدہ برقرار رہا ان کے اخلاف میں غالباً محمود نے اس اعزاز سے دستبرداری اختیار کی اور فوجی خدمات کی بجا آوری میں اپنی عمر چھاونیوں اور جنگ کے میدانوں میں گذاری ۔

شیخ شمس الدین نہ صرف قرآن و حدیث کے عالم تھے[۱] بلکہ اصطلاح تصوف کے مصداق حقیقی معنوں میں صوفی بھی تھے[۱]۔ بہت سی کرامات ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ۔ یہ کہا جاتا ہے کہ وفات کے وقت انہوں نے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو وصیت کہ نماز جنازہ کے بعد ان کا تابوت مسجد میں ہی رہنے دیا جائے آپ کی ہدایت پر عمل کیا گیا لیکن بعد ازیں آپ کا تابوت بغیر میت کے دستیاب ہوا[۲] ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ محمود کے ساتھ خاندان نے تعلیم و تعلم کے پیشے کو چھوڑ کر سپاہ گری کا پیشہ اختیار کیا اور اپنے آپ کو اس میدان میں بھی نمایاں ثابت کیا ۔ شیخ محمود کے بیٹے احمد، پوتے منصور اور پڑپوتے

---

بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب ۔ مولوی فضل الحق خیرآبادی کے سوانح حیات میں مذکور ہے کہ ان کے اجداد میں کمال الدین مفتی شمس الدین کے ہمراہ یہاں آئے ۔

[۱] جب شمس الدین زندہ تھے تو مسلمانوں میں تصوف بہت مقبول تھا ان کے معاصرین میں یقیناً بہت سے عظیم صوفیاء کا نام لیا جا سکتا ہے ۔

[۲] ایضاً ص ۱۶۱ ۔

معظم بہت بڑے جنگجو تھے

یہ واقعہ مذکور ہے کہ منصور کو ایک دفعہ ایک ہندو راجہ کی سرکوبی کے لئے لشکر کا سپہ سالار بناکر بھیجا گیا ان کا بیٹا معظم بھی ان کے ہمراہ تھا عام حملے کے وقت منصور نے اپنے بارہ سالہ بیٹے کو معظم کو میمنہ کی کمان سونپی۔ معظم نے اپنے فرض کو قابل تعریف حد تک نبھایا لیکن جلد ہی یہ افواہ پھیل گئی کہ منصور ہلاک ہوگئے ۔ اس خبر نے کمانڈر بچے کو بے تگبر بنا دیا کہ وہ اکیلے دشمن کے لشکر کے اس قدر اندر گھس گئے کہ راجہ کے ہاتھی تک پہنچ گئے۔ راجہ نے آپ کے جذبہ جوانمردی کو زبردست خراج تحسین پیش کیا اور اپنے لشکر کو حکم دیا کہ وہ ان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائیں۔ راجہ نے لڑکے کو مطلع کیا کہ اس کا والد نہ صرف ابھی تک زندہ ہے بلکہ لڑائی میں مصروف ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ کمسن بچہ دونوں فوجوں کے درمیان صلح کا ذریعہ بنا۔

شیخ معظم مضبوط قوت ارادی، غیر متزلزل جرأت اور وسیع القلبی کی وجہ سے بہت مشہور تھے شاہ ولی اللہ کے والد ــــ شاہ عبدالرحیم ــــ نے معظم کی جاگیر کے ایک گاؤں شیخو پور کے ایک بوڑھے دیہاتی سے سنا کہ اس نے شیخ کو ڈاکوؤں کے ایک بڑے گروہ کے خلاف لڑتے دیکھا ہے، جس نے گاؤں کو لوٹا تھا۔ شیخ نے ڈاکوؤں کی ایک بڑی تعداد کو اچھی نشانہ بازی سے ہلاک کردیا اور بقیہ پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ ان کو ہتھیار ڈالتے ہی بنی۔ آپ ڈاکوؤں کو واپس گاؤں لائے اور دیہاتیوں کو ان کا لوٹا ہوا مال واپس دلایا[۱۳]

شیخ معظم کے تین فرزند جمال، فیروز اور وجیہہ الدین تھے شیخ وجیہہ الدین جن کے بارے میں ہمیں نسبتاً زیادہ معلومات دستیاب ہیں، اپنے باپ کے بالکل صحیح تصور تھے، وہ بہادر سپاہی عظیم عالم اور صوفی تھے انہوں نے مغل افواج میں ایک بڑا عہدہ حاصل کیا اور شاہ جہاں کے بیٹوں کی تخت نشینی کی جنگ ــــ ۱۰۶۸ھ/۱۰۵۷ھ ــــ میں اورنگ زیب کا ساتھ دیا۔

شیخ وجیہہ الدین اس قدر جرأت مند تھے کہ ہنگاموں میں تنہا بے خوف وخطر کود پڑتے تھے۔ یہ ان کی غیر معمولی جرأت، حاضر دماغی اور سپہ آرائی ہی تھی جس کی بدولت اورنگزیب

---

۱۳ انفاس العارفین ص ۱۶۲۔

کی تقریباً شکست خوردہ فوج نے شجاع کے بہترین مسلح دستوں پر کامیابی حاصل کی۔ جنگ کا وہ نازک لمحہ جب شاہ شجاع نے میدان جنگ میں جنگلی ہاتھیوں کو لا کھڑا کیا۔ ان ہاتھیوں کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ پا کر اورنگ زیب کی افواج جو زبردست شکست سے دوچار ہونے والی تھیں، اپنے پیچھے چار سپاہیوں کو دشمن کا حملہ روکنے کے لئے چھوڑ کر پسپا ہوگئیں۔ شاہ وجیہہ اللہؒ کے بروقت اقدام نے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ شاہ وجیہہ الدین نے ـــــ جوان چار سپاہیوں میں سے ایک تھے ـــــ اپنے ساتھیوں کو اپنے پیچھے آنے کا حکم دیا جب وہ آگے بڑھنے والے ہاتھیوں کی پہلی صف کا مقابلہ کرنے جا رہے تھے، ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر آپ ہاتھیوں کی قیادت کرنے والے ہاتھی کی طرف دوڑے اور اس کی سونڈ کاٹ دی۔ وحشی ہاتھی واپس پلٹا اور شاہ شجاع کی فوجوں پر پل پڑا ان کے اپنے ہی ہاتھی کی اچانک اور غیر متوقع غضبناکی نے لشکر اندر ہر بھڑی مچا دی۔ جس سے اورنگ زیب کی افواج کو ایک نیا حملہ کرنے کا موقع ملا اور منتشر دشمن کا تعاقب کر کے اسے نیست و نابود کر دیا گیا۔ میدان اورنگ زیب کے ہاتھ رہا۔ شہزادے نے ـــــ جو اس غیر معمولی جرأت کا عینی شاہد تھا ـــــ شاہ وجیہہ الدین کو ایک تلوار پیش کی جس کو موخر الذکر نے بڑی بے نیازی سے قبول کرنے سے انکار کر دیا[۴۱]

بڑھاپے میں شاہ وجیہہ الدین نے باقاعدہ خدمات سے کنارہ کشی کی اور ان میں جنگ و جدل سے نفرت کا جذبہ پیدا ہو گیا لیکن شہادت کی خواہش ابھی تک ان کے دل میں موجود تھی اور گاہے ماہے پیران کو تلوار اٹھانے پر مجبور کرتی۔ اس مقصد کے حصول کے جوش میں ایک صبح وہ مرہٹوں کے خلاف شاہی فوج میں شریک ہونے کے لئے دکن کی طرف روانہ ہوگئے۔ دکن جو مغلیہ دور میں جنگ کا بدنام اکھاڑہ تھا لیکن راستے میں وہ دریائے نربدا کے کنارے ڈاکوؤں کے ایک گروہ سے جھڑپ میں ہلاک ہوگئے۔ وہ ڈاکوؤں کے گروہ سے ایسی ہی جی داری سے لڑے جیسا کہ وہ جوانی میں لڑتے تھے اور اس وقت تک لڑائی میں مصروف رہے جب تک کسان کو تقریباً بیس مہلک

---

[۴۱] انفاس العارفین ص ۱۶۵ - ملاحظہ کیجئے اسلامک کلچر ۱۹۴۷ء ص ۳۵۸ (صغیر حسین معصومی کا مقالہ) اورنگ زیب نے شاہ شجاع کو کھجوہ (بہار) کی جنگ میں ۱۶۵۹ء میں شکست دی۔

زخم نہ پہنچے اور پھر گر گئے اور ان کا سر تن سے جدا کر دیا گیا[۱۵]

شیخ وجیہہ الدین متقیانہ صفات کے حامل تھے۔ چھوٹا موٹا کھانے کے عادی اور خوش اخلاق تھے ان کی جنگ جوئی میں قرون وسطیٰ کی سی غارت گری نہ تھی۔ انھوں نے کبھی اپنی ذاتی اغراض کو نیک مقاصد اور فرائض کی بجا آوری پر ترجیح نہ دی۔ اپنی اشد ضروریات میں بھی جب کہ ان دسائل محدود ہو گئے انہوں نے کبھی اپنے گھوڑوں کو کسانوں کے کھیتوں میں چرنے کے لئے نہیں چھوڑا جیسا کہ عام طور پر دوسرے سپاہی کرتے تھے انہوں نے ہمیشہ اپنے وسائل پر ہی انحصار کیا[۱۶]

شاہ وجیہہ الدین نے تین بیٹے ابوالرضا، عبدالرحیم اور عبدالحکیم چھوڑے شاہ ولی اللہ — ہمارے میر مقالہ — کے والد شاہ عبدالرحیم تینوں بھائیوں میں علوم و اسرار و فلسفہ کے نسبتاً زیادہ حصول میں ممتاز تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ صحت و جذبہ سے نوازے گئے جو پیشہ سپاہ گری کے لئے لازمی ہے

شاہ عبدالرحیم — ۱۰۵۴ھ/۱۶۴۴ء — میں غالباً روہتک میں پیدا ہوئے انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد وجیہہ الدین اور بڑے بھائی شیخ ابو رضا سے حاصل کی[۱۷] انہوں نے کچھ عرصہ تک آگرہ میں میرزا ہد ہروی کے درسات میں شرکت کی جو فقہ، فلسفہ اور علم الکلام میں بڑی علمیت کی بناء پر بہت مشہور تھے[۱۸] علم سے محبت اور مسائل کے ادراک میں سرعت و آسانی کی وجہ سے

---

۱۵ انفاس العارفین ص ۱۶۷

۱۶ 〃 〃 ص ۱۶۲

۱۷ شیخ ابو رضا محمد المتوفی ۱۱۰۱ھ/۱۶۸۹ء) حدیث کے ممتاز عالم اور اپنے عہد کے عظیم صوفی تھے شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب انفاس العارفین (ص ۸۷) میں ان کی زندگی اور ان کے متصوفانہ نظریات پر تفصیل سے لکھا ہے۔

۱۸ میرزاہد بن قاضی اسلم ہراتی، جہانگیر کے عہد حکومت ہندوستان آئے اور دہلی کے قاضی القضاۃ مقرر کئے گئے۔ ۱۰۶۴ھ/۱۶۵۳ء میں شاہ جہان نے انہیں کابل کا وقائع نویس مقرر کیا ۱۰۷۷ھ/۱۶۹۶ء میں وہ آگرہ لوٹے اور وہاں موجود افواج کے محتسب مقرر کئے گئے۔ میرزاہد سلسلہ نقشبندیہ سے تعلق رکھنے والے صوفی بھی تھے (میرزاہد کی سوانح کے لئے ملاحظہ کیجئے انفاس ص ۳۳)۔

شاہ عبدالرحیم میرزاہد ہروی کے منظورِ نظر شاگرد بن گئے انہوں نے زمانہ طالب علمی ہی میں اپنے وقت کے فقہاء و محدثین میں بڑا نام پایا۔

فتاویٰ عالمگیری کے تدوین کے وقت [۱۹] ــــ جو فقہ اسلامی کا ایک بیش قیمت مجموعہ ہے ــــ ملا نظام کی زیرِ نگرانی نامور فقہا پر مشتمل ایک مجلس قائم کی گئی۔ شاہ عبدالرحیم اس مجلس کے رکن تھے جو تدوین شدہ حصوں کی نظرِ ثانی کی ذمہ دار تھی [۲۰] شاہ عبدالرحیم بادشاہ کی ملازمت میں آنے میں متامل تھے لیکن اپنی والدہ کے اصرار پر جن کے خیال میں اس ملازمت سے خاندان کی مالی پریشانیوں کا خاتمہ ہو جائے، آپ نے اس ملازمت کو قبول کیا۔ انہوں نے وہاں زیادہ عرصے تک کام نہیں کیا اور اپنے استاد خواجہ ابوالقاسم آگردی کے ایماء پر آپ نے ملازمت ترک کردی جن کی رائے میں شاہی معاش پر انحصار روحانی تسکین کی تکمیل میں رکاوٹ ہے۔[۲۱]

آگرہ میں میرزاہد، خواجہ عبداللہ اور خواجہ ابوالقاسم کے ہمراہ کافی عرصہ قیام کرنے اور مختلف علوم اور تصوف میں پوری اہلیت حاصل کرنے کے بعد آپ دہلی لوٹ آئے اور وہاں قیام پذیر ہوگئے اپنے عالی مرتبہ جد شیخ شمس الدین کے مانند آپ نے کوٹلہ فیروز شاہ میں ایک مدرسہ کھولا اور قرآن و حدیث کی تعلیم کا بندوبست کیا۔ یہ مدرسہ آپ کے بعد مدرسہ رحیمیہ کے نام سے مشہور رہا۔

ان دنوں مدارس صرف نجی ملکیت ہوتے تھے اور سماجی بہبود کے لئے انفرادی تحریک سے شروع کئے جاتے تھے۔ ان میں سے بیشتر اقامتی اور صرف دینی تعلیم کے لئے ہوتے تھے۔ اپنے بانی کی وفات کے بعد اکثر و بیشتر مدارس ختم ہو جاتے تھے، سرکاری امداد کا حصول ایک امر اتفاقی ہوتا

---

۱۹ فتاویٰ عالمگیری یا فتاویٰ ہندی فقہ پر ایک اہم کتاب ہے جو عالمگیر کے عہد حکومت میں ہدایہ کی طرز پر مرتب کی گئی۔ علماء کی خاصی بڑی تعداد نے اس کی ترتیب میں حصہ لیا۔ کتاب مذکورہ کا فارسی ترجمہ عبداللہ چلپی نے کیا (معارف ۱۹۴۷ء)

۲۰ انفاس ص ۲۴

۲۱ انفاس ص ۲۴۔ درحقیقت ان کے ہم منصبوں نے مجلس سے ان کی برطرفی کا انتظام کیا کیونکہ انہوں نے مسودے پر کچھ تحریر کیا جس کی بنا پر بادشاہ نے ملا نظام اور ملا حامد کا مواخذہ کیا۔

تھا وہ بھی اس صورت میں کہ مدرسے کا سربراہ کا دربار سے کوئی تعلق ہو یا اس کے مدرسے نے واقعتاً اتنی شہرت و مقبولیت حاصل کر لی ہو۔

شاہ عبدالرحیم کے مدرسے کا آغاز ایسی مبارک ساعت میں ہوا کہ یہ اپنے بانی کی وفات کے فوراً بعد ختم نہیں ہوا بلکہ یوں کہیے کہ مدرسہ کا پھلنا پھولنا مقدر ہو چکا تھا۔ انہوں نے اپنے پیچھے ایسی اولاد چھوڑی جنھوں نے اس ادارے کو زندہ وجاوید بنا دیا۔ اس امر کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ موجودہ فقہاء محدثین کا علم مذکورہ مدرسے کے فارغ التحصیل طلباء کا مرہون منت ہے اور اس برصغیر میں جو مدارس کام کر رہے ہیں ان میں سے بیشتر اس مرکز علم کی شاخیں ہیں۔

ہندوستان میں صدیوں میں یہ پہلا مدرسہ تھا جہاں فقہ کے بجائے حدیث کی تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا گیا۔ فقہ جو پیشتر ازیں تمام مضامین سے زیادہ اہمیت اختیار کر گیا تھا۔

مختلف علوم کے نظریات کے ماہر ہونے کے باوجود شاہ عبدالرحیم اپنے اسلاف کی مانند عظیم حیثیت کے صوفی تھے۔ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے راہ طریقت کی بہت سی منزلیں طے کیں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے آپ شیخ عبداللہ — جو ایک عظیم صوفی شیخ آدم بنوری کے خلیفہ تھے — اور شیخ ابوالقاسم آگروی کے مرید تھے۔ ابوالقاسم نے اکثر آپ کو یہ ہدایت کی کہ وہ دوسرے صوفیاء سے بھی ملیں اور ان کی صحبت سے مستفید ہوں، شاہ عبدالرحیم کے تمام آباؤ اجداد سلسلہ چشتیہ کے پیروکار تھے لیکن انھوں نے نقشبندی سلسلے کی پیروی کو ترجیح دی۔ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ شاہ عبدالرحیم نے اس قدر روحانی قوت حاصل کی کہ وہ افعال فطرت میں تصرف کر سکتے تھے۔ مثلاً وہ ناقابل علاج بیماریوں کو درست کر دیتے تھے، چوپایوں کی زبان سمجھ لیتے تھے اور روحوں سے گفتگو کرتے تھے[۲۲]

آپ کی تحریروں میں سے آپ کے کچھ خطوط کا مجموعہ مجتبائی پریس نے ۱۹۱۵ء میں طبع کیا۔ کچھ گفتگو "انفاس" میں مذکور ہے اور کچھ گفتگو شاہ ولی اللہ کی تصانیف میں ادھر ادھر کہیں ذکر کی گئی ہے۔

شاہ عبدالرحیم نے ستتر برس کی عمر میں ۱۱۳۱ھ میں وفات پائی۔

---

۲۲ انفاس ص ۳۷ تا ۵۰